دستورِ پاکستان کی آئینی، اخلاقی، اسلامی اور جمہوری حیثیت

(مندرجہ ذیل تقریر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، امیر جماعت اسلامی، پاکستان نے ۸ مارچ کو لاہور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمائی)

حضرات! کسی دستور پر گفتگو کرنے کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم محض اس کی دستاویز ہاتھ میں لے کر اس پر بحث شروع کر دیں۔ پہلے ہمیں اس کا تاریخی پس منظر دیکھنا چاہیے کہ وہ کس ملک میں کیسے حالات میں کس طرح بنا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس دستور کے پیچھے کوئی اخلاقی جواز بھی موجود ہے یا نہیں۔ کوئی قانون یا دستور جس کی پشت پر اخلاق کی طاقت نہ ہو اگر محض سیاسی طاقت سے نافذ ہو بھی جائے تو انسانی ضمیر پر اس کی گرفت قائم نہیں ہو سکتی۔

ان دو امور کو پیشِ نظر رکھ کر جب ہم دستور کے مسئلہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ پاکستان کا ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے وجود میں آنا کسی فردِ واحد یا کسی خاص گروہ کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ دراصل متحدہ ہندوستان کی پوری مسلم قوم نے اس کے لیے جدوجہد کی، قربانیاں دیں اور بالآخر سلطنتِ برطانیہ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ جو حاکمیت (SOVEREIGNTY) اُسے حاصل ہے اس سے وہ دستبردار ہو جائے۔ یہ دستبرداری برٹش پارلیمنٹ نے ایک باقاعدہ قانون کی شکل میں لکھ دی جسے انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ (قانون آزادیٔ ہند) کے نام سے دنیا جانتی ہے۔ اس ایکٹ کی رُو سے سلطنتِ برطانیہ کسی شخص یا گروہ کے حق میں دستبردار نہیں ہوئی تھی بلکہ باشندگانِ پاکستان کے حق میں دستبردار ہوئی تھی اور اس نے باشندوں کے نمائندوں پر مشتمل مجلس دستور ساز کو اس حاکمیت کا امین بنایا تھا۔ یہ ایک فطری اصول ہے کہ کسی صاحبِ حاکمیت طاقت کو جس نے حاکمیت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا ہو وہی اس حاکمیت کا حقدار ہوتا ہے اور کسی دوسرے کو اسے بیچ میں سے

اُچک لینے کا حق نہیں ہوتا۔ برطانوی سلطنت سے اس حاکمیت کو کسی شخص کی طرف منتقل کرنا کسی درجے میں بھی صحیح ہو سکتا تھا تو وہ شخص قائدِ اعظم مرحوم ہو سکتے تھے جن کی قیادت میں پاکستان کی جنگ لڑی گئی تھی لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ حاکمیت ان کی طرف بھی منتقل نہیں ہوئی تھی بلکہ خود اُنہوں نے اسے باشندوں کی طرف منتقل کرایا تھا۔ اس لیے اصولاً باشندگانِ پاکستان کی نمائندہ مجلسِ دستور ساز ہی اس ملک کے لیے دستور بنانے کی آئینی اور اخلاقی حیثیت سے مجاز تھی۔

۱۹۴۷ء میں دستور سازی کے لیے جو مجلس بنی تھی اس نے ۱۹۵۴ء میں دستور کی تکمیل کر دی تھی اور وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کی تاریخ بھی اس کے نفاذ کے لیے مقرر کر چکی تھی۔ مگر یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد اُس زمانے کے گورنر جنرل نے اکتوبر ۱۹۵۴ء میں اس مجلسِ دستور ساز کو توڑ دیا اور اس کا بنایا ہوا دستور رکھا رہ گیا۔ اگرچہ بعد میں فیڈرل کورٹ نے یہ فیصلہ دے دیا کہ گورنر جنرل کا یہ فعل قانوناً صحیح تھا اور ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اب اس فیصلے کو قانونی اغراض کی حد تک تسلیم کریں، لیکن ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ عدالت کا وہ فیصلہ صحیح نہ تھا۔ وہ گورنر جنرل اُس تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے اِس منصب پر مقرر ہوا تھا جو حاکمیت کے اختیارات سے دستبردار ہو چکا تھا۔ حاکمیت کی حامل اس وقت دستور ساز اسمبلی تھی نہ کہ گورنر جنرل۔ اس لیے ایک صاحبِ حاکمیت ادارے کو وہ شخص جو حاکمیت کا حامل نہ تھا توڑنے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ وہ نہ تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے اس کا مجاز تھا نہ اُس کو کسی درجے میں بھی قوم کی نمائندگی کے حقوق و اختیارات حاصل تھے۔ نہ تاجِ برطانیہ یا جمہورِ قوم میں سے کسی نے اس سے یہ کہا تھا کہ وہ دستور ساز اسمبلی توڑ دے اور اس کا بنایا ہوا دستور ردی کی ٹوکری میں ڈال دے۔ اس نے سراسر اپنی شخصی حیثیت میں اس فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ اور اس ارتکاب میں وہ صرف اس وجہ سے کامیاب ہو گیا کہ حکومت کا نظم و نسق چلانا جن ملازمین کے ہاتھ میں تھا انہوں نے دستور اور جمہور اور پارلیمنٹ کے ساتھ وفاداری کرنے کے بجائے ایک شخص کے ساتھ وفاداری کی ـــ اگر وہ قوم اور اس کی جمہوریت اور

دستورِ مملکت کے وفادار ہوتے تو دستور ساز اسمبلی ٹوٹنے کے بجائے گورنر جنرل اپنے منصب سے رخصت ہو جاتا۔

اس کے بعد فیڈرل کورٹ کے فیصلے کے مطابق ایک نئی دستور ساز اسمبلی بنی، جسے قانونی طور پر حاکمیت کے آئینی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ اس نے یہ اختیارات استعمال کر کے ۱۹۵۶ء کا دستور بنایا اور یہ دستور عملاً نافذ بھی ہو گیا۔ پھر ۱۹۵۸ء کے وسط میں انتخابات عام کے لیے فروری ۱۹۵۹ء کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی تاکہ عوام اپنے نمائندے منتخب کر کے عملاً حاکمانہ اختیارات کا استعمال شروع کر دیں۔ مگر یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد اکتوبر ۵۸ء کی ایک رات کو یکایک دستور منسوخ کر دیا گیا، پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اس دستور کو جس شخص نے توڑا وہ دستور کا بنانے والا نہیں بلکہ دستور کا بنایا ہوا صدر تھا۔ وہ نہ دستور کو منسوخ کرنے کا مجاز تھا، نہ دستور کی منسوخی کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی تھی جس کی بنا پر وہ ملک میں حکمرانی کے اختیارات استعمال کر سکے۔ اس کو دستور سے باہر جا کر حکومت کی مشینری چلانے والے ملازمین کو احکام دینے کا سرے سے کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ ملازمین کے لیے کسی طرح یہ جائز تھا کہ وہ اس کے کسی غیر دستوری حکم کی تعمیل کریں۔ لیکن یہاں پھر وہی صورت پیش آئی جو ۱۹۵۴ء میں پیش آئی تھی کہ سرکاری ملازمین نے دستور اور جمہور اور پارلیمنٹ، یا بالفاظ دیگر قوم اور ریاست کی وفاداری کے بجائے ایک شخص کے ساتھ وفاداری کی۔ اسی وجہ سے اس شخص کا یہ فرمان نافذ ہو گیا کہ دستور ختم، پارلیمنٹ برخاست اور ملک پر مارشل لا مسلط۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو دستور کے بجائے اس شخص کی صدارت ختم ہو جاتی جس نے دستور و قانون کے دائرے سے باہر جا کر اختیارات استعمال کرنے کی جسارت کی تھی۔

اس کے بعد مارشل لا کے زمانے میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے بنیادی جمہوریتوں کے اسی ہزار نمائندوں سے یہ اختیارات طلب کیے کہ وہ ملک کے لیے جو دستور چاہیں بنا دیں۔ یہ

بات پیشِ نظر رکھیے کہ یہ اختیارات مارشل لاء کے زمانے میں مانگے گئے تھے، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے مانگے تھے اور ان کو طلب کرتے وقت کوئی متبادل صورت نہیں رکھی گئی تھی کہ اگر لوگ یہ طلب کردہ اختیارات نہ دیں تو دوسرا چارۂ کار کیا ہے۔ لہٰذا ہر ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ اس مطالبے کے حق میں ووٹ نہ دینے کے معنی یہ ہونگے کہ ملک پر ہمیشہ مارشل لا مسلط رہے گا اور اس ملک کو کبھی دستور نصیب نہ ہوگا۔ ان حالات میں جو اختیارات دیئے گئے ان کی اخلاقی حیثیت بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ عقل اور انصاف کی حس رکھنے والا ہر انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ ان کی حیثیت کیا ہے۔

پھر یہ اختیارات حاصل کر لینے کے بعد کسی شخص کو دستور کے مسئلہ پر زبان کھولنے کا حق نہیں دیا گیا۔ ایک فردِ واحد نے ملک کا دستور بنایا اور اس دستور کے عملاً نافذ ہو جانے تک پوری قوم کی زبان بند رکھی گئی۔

یہ تاریخی پس منظر اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ سابق دستور کا منسوخ ہونا اور موجودہ دستور کا آئینِ مملکت قرار پا جانا اس بنا پر ایک امرِ واقعہ تو ضرور ہے کہ طاقت کے ذریعے یہ دونوں کام انجام پا چکے ہیں۔ لیکن کسی شخص کو بھی یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ قوم کا ضمیر اس امرِ واقعہ کو امرِ جائز کی حیثیت سے بھی تسلیم کرے گا۔ سارے واقعات دن کی روشنی میں سب کے سامنے گزرے ہیں۔ لوگوں نے کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ لوگ نہ اپنی آنکھوں کو جھٹلا سکتے ہیں اور نہ عقل وفہم سے عاری ہیں کہ ان واقعات کے معنی نہ سمجھ سکتے ہوں۔

اب اصل دستور کی طرف آئیے۔ اس کے آغاز ہی میں یہ بات صاف صاف لکھی ہوئی ہمیں ملتی ہے کہ یہ دستور فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب نے پاکستان کے لیے بنایا ہے۔ کسی قوم کی عزت و آبرو کے لیے بجائے خود یہ بات ہی کچھ کم غارت گر نہیں ہے کہ قوم نے خود اپنے لیے دستور نہیں بنایا ہے بلکہ ایک فیلڈ مارشل نے اس کو دستور عطا کیا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ قوم کے دیئے ہوئے اختیارات کی بنا پر انہوں نے یہ دستور بنایا ہے لیکن آخر